بخشِ اُردو

Scanned with OKEN Scanner

پروفیسر شریف حسین قاسمی

شاہ ہمدانؒ کی فارسی غزلیات

میر سید علی ہمدانی معروف بہ حضرت شاہ ہمدان (متولد ۱۲ رجب ۷۱۴/ ۲۲ اکتوبر ۱۳۱۴، متوفی: ۶ ذی الحجہ ۷۸۶/ ۱۹ جنوری ۱۳۸۵) چودھویں صدی عیسوی کے ایک عظیم صوفی اور مبلغ ہیں۔ کشمیر میں آپ کی تبلیغی سرگرمیاں اور اس کے نتایج کی روداد آج بھی زبان زد خاص و عام ہے۔ شاہ ہمدان کی ہمہ جہت شخصیت کے بے شک کئی تابناک پہلو ہیں، لیکن وہ سب کے سب ان کی داعیانہ حیثیت کے تابع ہیں۔ ان کے قلم سے جو کچھ بھی صادر ہوا ہے، وہ ان کی داعیانہ شخصیت کا پرتو ہے اور اس کی مناسب افہام و تفہیم اور قدر و منزلت کے تعین کے لیے یہی بات بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔

اس معروف صوفی و مبلغ کے بارے میں اظہار نظر کرنے والوں نے ان کی تصانیف کی تعداد سو، ڈیڑھ سو یا ایک سو ستر لکھی ہے۔ جہاں شاہ ہمدان کی زندگی کے بارے میں ان کے معتقدین نے بعض ایسی باتیں کہی ہیں جو شاہ ہمدان سے ان کے بے پناہ جوش عقیدت کا نتیجہ ہیں، وہاں یہ تعداد بھی بظاہر مبالغہ آمیز نظر آتی ہے۔ یہ بات بھی دلچسپ ہے کہ کسی نے بھی حضرت شاہ ہمدان کی ان تمام تصانیف کے حتی نام بھی درج نہیں کیے ہیں۔

منہاج العارفین، اوراد فتحیہ، مکتوبات، رسالہ مناجات، شرح فصوص الحکم، سیر الطالبین،

آداب المریدین، رسالہ معرفت، زہد، رسالہ اورادیہ، رسالہ ذکریہ، رسالہ ھمدانیہ، رسالہ قدسیہ، رسالہ خواطریہ، رسالہ احادیث، رسالہ فتوت وغیرہ کے علاوہ ذخیرۃ الملوک بھی ان کی تصانیف کی فہرست میں شامل ہے۔ اس کے علاوہ چند رباعیات اور چہل اسرار کے نام سے چالیس غزلوں کا مجموعہ بھی شاہ ھمدان سے منسوب ہے۔

ان چالیس غزلوں کے بارے میں یہ روایت ہے کہ شاہ ھمدان رمضان المبارک کے مہینے میں ایک دن اپنی خانقاہ میں تشریف رکھتے تھے، آپ کے چالیس مرید یکے بعد از دیگرے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو اپنے اپنے ہاں کھانے کی دعوت دی۔ آپ نے سب کی دعوت منظور کرلی۔ آپ کے خلیفۂ خاص شیخ قوام الدین بدخشی یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے اور حیرت میں تھے کہ ان کے مرشد کس طرح ایک ہی وقت میں چالیس لوگوں کے گھر جاکر کھانا کھائیں گے لیکن وہ اس بارے میں استفسار کی جرأت نہیں کرسکے۔ اذکار کے بعد شاہ ھمدان خانقاہ معلیٰ میں واقع اپنے حجرۂ خاص میں داخل ہوئے اور دروازہ بند کرلیا۔ عشا کے وقت نماز کے لیے باہر آئے اور نماز ادا کی۔ اگلے روز عقیدت مند اور مرید حسب معمول خانقاہ میں جمع ہوئے۔ ان میں وہ چالیس مرید بھی تھے جن سے ایک دن قبل شاہ ھمدان نے ان کے گھروں پر کھانا کھانے کا وعدہ کیا تھا۔ ان میں سے ہر ایک نے بتایا کہ شاہ ھمدان گذشتہ رات ان کے مہمان رہے تھے، اور ہر ایک نے ایک ایک غزل بھی پیش کی جو شاہ ھمدان نے ان کے گھروں پر کھانے کے بعد انہیں تحفتاً عنایت کی تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شاہ ھمدان اس رات اپنے حجرے سے مطلق باہر ہی نہیں نکلے تھے۔

بہر حال اپنی چالیس غزلوں کے مجموعے کو چہل اسرار کے نام سے جمع کردیا گیا ہے۔ اس کے قدیم قلمی نسخے غالباً دستیاب نہیں، میرے دوست اور جامعہ ملیہ کے ایک ہونہار طالب علم ڈاکٹر محمد منور مسعودی صاحب پروفیسر شعبۂ فارسی کشمیر یونیورسٹی نے ان چالیس غزلوں کا فارسی متن، ان کا اردو، انگریزی اور کشمیری ترجمہ ۱۹۹۶ء شایع کردیا ہے، ڈاکٹر مسعودی صاحب کو بھی چہل اسرار کا کوئی قدیم نسخہ

دستیاب نہیں ہو سکا۔ انہوں نے اس کا فارسی متن تین قلمی نسخوں کی مدد سے مرتب کیا ہے۔ ان تینوں نسخوں پر سال کتابت درج نہیں۔ ان کے جو کوائف ڈاکٹر مسعودی صاحب نے بیان کیے ہیں، ان سے پتہ چلتا ہے کہ یہ غالباً بہت بعد کے دور میں مرتب ہوئے ہوں گے۔

فارسی شعرا کے متعدد تذکرے فارسی زبان میں لکھے گئے ہیں۔ ان میں بعض عمومی نوعیت کے تذکرے بہت ضخیم بھی ہیں۔ جن حضرات نے ان تذکروں کا توجہ اور تفصیل سے مطالعہ کیا ہے۔ ان پر یہ حقیقت روشن ہے کہ ان میں بہت سے ایسے شعرا کا ترجمہ بھی شامل ہے جو باقاعدہ شاعر نہیں تھے اور محض تفنن طبع کے طور پر دو چار شعر کہہ لیتے تھے۔ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تذکرہ نگاروں کا یہ عام طریقہ رہا ہے کہ انہوں نے معمولی سے معمولی شاعر کے احوال بھی اپنے اپنے تذکروں میں درج کیے ہیں، لیکن شاہ همدان کا ذکر ایک شاعر کی حیثیت سے تذکروں میں مشکل سے نظر آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کی وجہ یہ رہی ہوگی کہ شاہ همدان کا منظوم کلام ان کی دسترس سے باہر رہا یا پھر یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ شاہ همدان کبھی بھی اپنے زمانے میں یا اس کے بعد ایک شاعر کی حیثیت سے معروف ہی نہیں تھے۔ یہاں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ شاعر نہ ہونے کی وجہ سے شاہ همدان کی عالمانہ، عارفانہ اور داعیانہ حیثیت پر کوئی حرف نہیں آتا، وہ مسلم ہے۔

ان چالیس غزلیات کا شاہ همدان سے انتساب ایک پراسرار معاملہ ہے۔ یہ غزلیں حقیقت میں ان کی ہیں یا نہیں، یہ خود تحقیق کا ایک اہم موضوع اور دقت طلب مسئلہ ہے۔ اس پر کام ہونا باقی ہے۔ راقم نے ان غزلیات کا ایک مختصر جائزہ لیا ہے اور یہ سوچ کر جائزہ لیا ہے کہ جب تک یہ واضح طور پر معلوم نہ ہو جائے کہ یہ غزلیں کس شاعر کی ہیں، شاہ همدان سے ان کے انتساب کو قبول کر لینا چاہیئے۔

چہل اسرار کی غزلوں میں علی اور علائی تخلص استعمال ہوتے ہیں۔ ان تمام غزلوں پر گہرا عارفانہ رنگ غالب ہے۔ زبان آسان، اور انداز بیان سلیس، سادہ اور والہانہ ہے۔ جو کچھ کہا گیا

Scanned with OKEN Scanner

ہے وہ لکھنے والے کے اپنے ذاتی احساسات و مشاہدات پر مبنی ہے۔ وہ تاریخ اسلام سے بخوبی واقف ہے۔ تفسیر، فقہ اور حدیث پر اس کی گہری نظر ہے۔ بنیادی طور پر صوفی ہے۔ اس لیے عرفان و تصوف کے جملہ امور سے خوب آشنا ہے اور اس وسیع میدانِ عمل میں جو کچھ اس پر بیتی ہے وہ اسے بے کم و کاست بیان کر رہا ہے۔ چوں کہ یہ آپ بیتی ہے اس لیے بیان میں صراحت بھی ہے۔ ایقان کی کیفیت بھی اور تاثیر بھی۔ یہ غزلیں محض عشقِ حقیقی کی سرگذشت ہیں جن میں عشقِ مجازی کی جھلک بھی نہیں۔ ان غزلوں میں بعض ایسے عرفانی تجربات و مشاہدات کا ذکر بھی ہے جن سے شاہ ھمدان سے پہلے کے عظیم عرفا بھی دو چار ہوئے تھے۔ تجربات و مشاھدات کی یہ تکرار ان کے برحق ہونے کا ثبوت ہیں۔ ایک شعر ملاحظہ فرمایئے جو چہل اسرار کی غزلوں میں سب سے پہلی غزل کا مطلع ہے:

ای گرفتارانِ عشقت فارغ از مال و منال
والہان حضرتت را از خود و جنت ملال

تیرے عشق میں گرفتار، دنیوی مال و متاع کے متمنی نہیں، جو تیرے والہ و شیدا ہیں، تجھ سے وصل کی خواہش میں خود اپنے آپ یعنی نفس اور جنت سے بیزار ہیں۔

یہ شعر ہمیں رابعہ بصری سے متعلق اس دلچسپ اور سبق آموز واقعہ کی یاد دلاتا ہے جو اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ عالم اسلام کی یہ معروف شخصیت ایک روز ایک ہاتھ میں پانی اور دوسرے میں آگ لیے جاتی ہوئی نظر آئی۔ کسی نے پوچھا، اس حال میں کہاں جا رہی ہیں۔ جواب دیا: پانی سے جہنم کی آگ بجھانے اور آگ سے جنت کو بھسم کرتے جا رہی ہوں تاکہ لوگ خدا کی عبادت جہنم کے خوف اور جنت کی آرزو میں نہ کریں بلکہ خالقِ حقیقی سے محبت ہی عبادت کی وجہ ہو۔ یہ حقیقت شناس عرفا کا مسلمہ عقیدہ ہے کہ حور و قصور کی جنت عاشقِ ربانی کا مقصود نہیں۔ اسی غزل کا ایک شعر ہے

کشتگانِ تیغ عشقت، زندگانِ جاودان
صید شاہین غمت، شاہانِ ملکِ بی زوال

حقیقی عشق کے مارے ہوئے ہمیشہ زندہ رہتے ہیں اور تیرے غم کے شاہین کے شکار ہمیشہ باقی رہنے والے ملک (دوسری دنیا) کے بادشاہ ہو جاتے ہیں۔ یہ عشق حقیقی کی کارسازی ہے۔
یہ شعر ہمیں جام زندہ بیل کے اس شعر کی یاد دلاتا ہے جس نے مجلس سماع میں وہ عالم وجد پیدا کر دیا تھا کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے اپنی جان آفرین کے سپرد کر دی تھی، زندہ بیل کا شعر ہے۔

کشتگان خنجر تسلیم را　　ہر زمان از غیب جانی دیگراست

ایک غزل میں شاہ ھمدان عاشقان خدا کے اخلاق، ان کی مشکلات، ان کے بلند مقام، ان کی حرکات و سکنات وغیرہ کا فصیح زبان اور مترنم انداز میں ذکر کرتے ہیں۔ ان کی نگاہ میں ارباب ذوق اور عاشقان خدا دنیوی مال و متاع سے بے نیاز صرف اپنے خالق کے تصور میں محو رہتے ہیں۔ عشق کے شکنجے نے انہیں دنیوی آلودگیوں سے پاک و صاف کر دیا ہے۔ وہ حسن ازلی کا صرف ایک بھید ہی جان لینے کی وجہ سے حوران بہشتی کو کوڑیوں کے بھاؤ بھی نہیں خریدتے۔ اس غزل کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

ارباب ذوق درغم تو آمیده اند　　وز شادی رنعیم دو عالم رمیده اند
پالودۂ شکنجۂ عشقند زان سبب　　زآلودگان جیفۂ دنیا بریده اند
حوران خلد را بہ پشیزی نمی خرید　　تا از صفای حسن تو رمزی شنیده اند
از ناز یار و محنت اغیار فارغند　　چو در سرادقات جلالش رسیده اند

جو صوفیا نغمۂ توحید سے سرمست ہوتے ہیں، ان میں بڑی رواداری ہوتی ہے حضرت خواجہ نظام الدین اولیا نے جمنا کے کنارے غیر مسلموں کو اپنے طور طریقے پر عبادت میں مصروف دیکھ کر سراہنے کے انداز میں کہا تھا، ہر قوم راست راھی دینی و قبلہ گاھی
ایسے صوفیا کا خیال ہے کہ مسلم اور غیر مسلم بلا امتیاز مذہب و ملت اس کے فیض سے

سرشار ہیں۔ سچ یہ ہے کہ جذبۂ توحید کے پیدا ہونے کے بعد تمام مسایل حیات کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ موحد کائینات کے ورق پر حتی ذرہ کو بھی اسی کی بارگاہ میں سر بہ سجود دیکھتا ہے۔ ھمدانی کہتے ہیں:

دیدہ علایی عیان بر ورق کاینات
جملہ ذراتِ کون پیش رخش در سجود

اب زندگی شاخوں میں الجھنے کے بجائے بیخ دین سے سیراب ہونے لگی ہے۔ ایک موحد زندگی جسم کو کفر اور دین کو سلوک میں رکاوٹ گردانتا ہے۔ وہ ان موانع سے چھٹکارا حاصل کرنا اور عشق خداوندی کے اتاہ سمندر میں غرق ہوجانا چاہتا ہے۔ ھمدانی کہتے ہیں:

جان وتن بنداست وکفر و دین حجاب اندر رھش
جملہ را برھم زن و با عشق او همراز شو

جو حسن ازلی کے غمزے کا شکار ہوا وہ نام و ننگ اور کفر و دین کے تصور سے کلی طور پر آزاد ہوجاتا ہے

کسی کز غمزہ جنبش چو زلف او پریشان شد
ز نام و ننگ و کفر و دین بکلی بی خبر با شد

اور جب عشق کا ارغوان توحید کے نغمے سے ھم ساز وھم آواز ہوجاتا ہے تو مطرب اس کے جمال کے شوق میں موزون نغمے بکھیرنے لگتا ہے:

ارغوانِ عشق چو با نغمۂ توحید ساخت
مطرب از شوق جمالش نالۂ موزون زند

شاہِ ھمدان متعدد جگہ نفس کو عرفان حقیقی کے راستے کا پتھر قرار دیتے ہیں۔ انسان کا سدا "میں" اسے سعادت سے دور رکھتا ہے:

شرح ادیار ما پردہ پندار ما   ہر کہ ازین پردہ رست گوی سعادت ربود

Scanned with OKEN Scanner

جنہوں نے نفس کو کچل دیا وہ لامکان میں حتیٰ فرشتوں سے زیادہ بلند مرتبہ حاصل کر لیتے ہیں:

از هوای نفس گر یک رہ خلاصی یابد شش
در هوای لامکان لاف از فلک افزون زند

خدا سورج کی روشنی کی طرح ہر جگہ موجود ہے، ہاں ہماری ہستی نفس کی بدبختی ہے جو روشنی پر پردہ ڈالے رہتی ہے۔

او بارِ هستی ماشد پرده حجالش
ورنه زراه تحقیق خورشید نیست پنہان

شاہ ہمدان ابن عربی کے مکتب فکر سے وابستہ تھے۔ آپ نے خصوص الحکم کا فارسی میں ترجمہ بھی کیا ابن عربی وحدۃ الوجود کے قائل ہیں۔ ان کی پیروی میں شاہ ہمدان بھی اسی عقیدے کے حامی اور مبلغ رہے۔

ہمارے بزرگ عرفا نے علم کو بڑی اہمیت دی ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ جو صوفی صاحب علم نہیں وہ بہ آسانی مسخرِ شیطان ہو جاتا ہے۔ اسی عقیدے کے اثبات کے لیے شاہ ہمدان کہتے ہیں کہ اگر تم روضۂ دل کو علم کے پانی سے سیراب کرو گے تو آخر کار تمہیں باغ وصال تک رسائی حاصل ہو جائے گی۔

تو روضۂ دل اگر ز آب علم تازہ کنی
بہ عاقبت ز ریاض وصال بر یابی

اس ضمن میں شاہ ہمدان کا ایک دوسرا شعر بھی دلچسپ ہے وہ کہتے ہیں کہ جہالت نے ہی انسان کو بارگاہ قرب سے دور رکھا ہے، ورنہ انسان سے زیادہ کوئی بھی اس سے نزدیک تر نہیں:

چو واقف اہلِ دل از رسوم قرب مراد و دور نگر

درون غیر و یک تیر از دوست کہ بہ تیر ندید

دنیوی شعائر و رسوم کے مقابلے میں حکمت و دین اور اصل روحانیت پر نظر رکھنے والے وسیع النظر اور وسیع المشرب ہوتے ہیں۔ بعض اختلافِ رسوم کی بنا پر دوسروں کو مطلقاً گمراہ نہیں سمجھتے۔ شاہ ہمدان اسی سلسلے میں کہتے ہیں کہ جو مجازی رسوم کے بندھن سے آزاد ہو گیا۔ اسے فنا کے زہر میں بھی بقا کا خوشگوار شربت حاصل ہو جاتا ہے۔

چو از رسوم مجازی فنا شدہ کلی

درون زہر فنا، شربت بقا دیدہ

اسی نوعیت کا غالب کا مشہور شعر ہے:

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم

ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں

ایک پوری غزل میں شاہ ہمدان نے انسان کی عظمت کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ انسان جو اشرف المخلوقات ہے اس کا کیا مقام ہے، اس کی کیا صفات ہیں، یہ ساری کائنات کس طرح اس کی خدمت میں لگی ہوتی ہے۔ اس کی استعداد اصلاحیت کیا ہے، وہ کیسے کیسے رازوں کا امین ہے۔

تو کانِ گوہرِ کافی و جوہر نونی — چہ کاف و نون ز کاف و نون تو افزونی

محیطِ گنبدِ افلاک را توئی مرکز — صفای صافیِ اسرار را تو استونی

ز دورِ دایرہ گر بہ سوی مرکز آیی باز — یقین بود کہ ز ہر دو صف و وہم بیرونی

سپہر مطلع انوار و آفتاب جلال — بہ گردِ نقطۂ ذاتِ تو کردہ گردونی

ظہورِ سر کمالاتِ سرمدی از تست — اگرچہ خازنِ اسرار را تو مخزونی

قبای غیرت او بود ہر چہ مجال تو شد — توئی کہ در صدفِ علم درِ مکنونی

علامہ اقبال نے بھی انسان کو اس دنیا میں اس کے اعلیٰ مرتبے کی یاد دلائی ہے۔ اقبال شاہ ھمدان اور ان کے عقاید و خیالات سے خوب واقف تھے۔ اسی طرح انہوں نے شاہ ھمدان کی زندگی، ان کے عقاید اور تعلیمات سے فایدہ بھی اٹھایا تھا۔ ان کی نظم "زیارت امیر کبیر حضرت سید علی ھمدانی اپنے دور کے اس عظیم المرتبت صوفی و عارف سے ان کی محبت اور ذہنی طور پر ان کے افکار و خیالات ہم آہنگی کی ترجمان ہے۔